

چونا

اکبر اعظم کا سنہری دور تھا۔ رواداری، ریاستی طاقت، انصاف عوام کیلئے آسودہ حالی کی پہچان تھی۔ اکبر کے نور تن ابھی مکمل نہیں تھے۔ راجہ بیربل اس میں شامل نہیں ہوا تھا۔ یاپوں کہہ لیجئے کہ اسے قدرت نے موقع نہیں دیا تھا کہ شہنشاہ تک رسائی حاصل کر لے۔ راجہ بیربل حد رجہ ذہین اور بہادر شخص تھا۔ اسکی حاضر جوابی ضرب المثل تو تھی ہی مگر ایک دلیر جرنیل بھی تھا۔ ایک دن بیربل جسکا اصل نام مہیش داس تھا۔ ایک پنساری کی دکان پر کھڑا تھا۔ اکبر بادشاہ کا ملازم خاص آیا اور آدھا سیر چونے کا تقاضہ کیا۔ بیربل نے نوکر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اتنا زیادہ چونا خرید کر کیا کریگا۔ ملازم نے فخریہ انداز سے کہا کہ اکبر اعظم کو پان کی گلوری بناؤ کر کھلاتا ہے۔ اور چونا اسی کیلئے لیکر جا رہا ہے۔ مگر اتنا زیادہ کیوں۔ بیربل کے اس سوال کا جواب ملازم نے سنجیدگی سے دیا کہ یہ دراصل اکبر ہی کا حکم ہے۔ بیربل سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ ہر گز چونا نہ خریدو، بلکہ وہی لیکر جاؤ۔ ملازم ڈر گیا کہ کیونکر بادشاہ کی حکم عدوی کرے۔ مگر بیربل نے کہا کہ اپنی جان بچانے کیلئے وہی خریدو۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ نوکر بہر حال سہما ہوا تھا۔ وہی خریدا اور دربار میں پیش ہو گیا۔ اکبر نے حکم دیا کہ فوری طور پر چونا پی اور چلا گیا۔ اگلے دن بادشاہ نے کہا کہ اس ملازم کو بلا یا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ ملازم پیش ہوا۔ اسے زندہ دیکھ کر اکبر جران رہ گیا۔ کہنے لگا تم نے تو چونا پیا تھا۔ زندہ کیسے ہو۔ ضرور کوئی مسئلہ ہے۔ ملازم نے جان کی امان پا کر پورا واقعہ سنایا۔ تو اکبر ششدہ رہ گیا۔ فرمان جاری کیا کہ فوری طور پر اس فطین شخص کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ شاہی ملازم بلا وے کیلئے بیربل کے پاس پہنچا تو اس نے دربار جانے سے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ کو جب بتایا گیا تو اس نے کچھ سوچا اور ملازم کے ساتھ شاہی نقاروں اور نوبت بھی روانہ کی۔ بیربل نے دوبارہ انکار کر ڈالا۔ اکبر بادشاہ دوبارہ سوچ میں پڑ گیا۔ حکم دیا کہ ملازم، شاہی نقارے کے ساتھ شاہی سواری بھی روانہ کی جائے۔ جب یہ سارا کارروائی، بیربل کی رہائشگاہ پر پہنچا تو بیربل فوری طور پر دربار میں حاضر ہو گیا۔ کہنے لگا کہ حضور میں عزت دار شخص ہوں۔ صرف ایک ملازم اور نقارے کا کام تھا جن نہیں۔ جب آپ نے شاہی ہاتھی بھجوایا تو میں اپنی عزت افزائی پر خوش ہوا اور اب آپ کی خدمت میں پیش ہوں۔ اکبر اعظم نے جیرا گئی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں اپنے پان بنانے والے ملازم سے ناراض ہوں اور چونا سے مارنے کیلئے منگوار ہوں۔ بیربل کا جواب حیرت انگیز طور پر برجستہ تھا۔ کہنے لگا کہ اس نے نوکر سے دکان پر پوچھا تھا کہ جب تم نے آخری بار بادشاہ کو پان کھلایا تو بادشاہ نے کیا کہا تھا۔ ملازم کا جواب تھا کہ گلوری کی اکبر اعظم نے تعریف نہیں کی بلکہ چونا لانے کا حکم دیا۔ بیربل نے بیان جاری رکھا۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ آپ نوکر سے ناراض ہیں۔ صرف اسکا اظہار نہیں کیا اور چونا لینے بھیج دیا۔ ظلِ الہی نے اسی وقت ذہن میں ٹھان لی تھی کہ اس ملازم کی نااہلی کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے۔ واقعات کو بھانپ کر میں نے ملازم کو دی یا لی جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اکبر اعظم، بیربل کی ذہانت دیکھ کر حد رجہ متاثر ہوا اور اسے فوری طور پر اپنے دربار میں مشیر مقرر کر دیا۔ شہنشاہ کے انہی نور تنوں کی ذہانت، جرات اور معاملہ نہیں نے اکبر کو بر صغیر کا لازوال حکمران بنادیا۔ وہ شخص جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ اپنے ان نور تنوں کی لیاقت کی بدولت نصف صدی تک ہندوستان کا بے تاج بادشاہ قائم رہا۔

مگر یہاں ایک سنجیدہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ کے ارد گرد نورتن نہ ہوتے، تو کیا وہ اسی عظمت سے بر صیر پر حکومت کر سکتا تھا۔ کم از کم طالب علم کا جواب نفی میں ہے۔ پشتون کا ایک نجیب محاورہ ہے کہ ”پیر کھٹریاں پہن کر ہوا میں نہیں اڑتے، بلکہ مرید انہیں فضا میں اڑاتے ہیں“۔ طرزِ حکمرانی میں یہ بات سو فیصد نہیں، بلکہ ایک ہزار فیصد درست ہے۔ کسی بھی ملک میں حکومت کرنے کیلئے فہمیدہ لوگوں کو حکمران کے نزدیک رہنے سے ہی معاملات اچھے طریقے سے چلائے جاسکتے ہیں۔ یہ بات جسے سمجھ میں آگئی، بطور وزیرِ اعظم، صدر یا وزیر اعلیٰ سچھل ہو گیا۔ انتظامی نوکری میں رہنے کی بدولت چوتیس برس، اقتدار کے دربار کے معاملات دیکھنے کا بھرپور موقعہ ملا ہے اور پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے کسی بھی وقت کے صاحب اقتدار شخص کو ذہین مشیر نہیں چاہیں۔ بلکہ ہمارے حکمران تو قابل افراد سے گھبراتے ہیں۔ ان سے دور ہنا پسند کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سنجیدہ مشورہ دینے والے لوگ دربارِ شاہی میں معمون قرار دیے جاتے ہیں۔ اُنکی جگہ خوشامدی، مالشی، سادھو، سنت اور طلبخی لے لیتے ہیں۔ قطعاً مبالغہ نہیں کر رہا۔ ہر طرح کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد دلیل پر بات کر رہا ہوں۔ جزل ضیاء الحق ہو، یا نواز شریف، زرداری ہو یا عمران خان، پرویز مشرف ہو یا کوئی اور۔ اقتدار میں آنے کے بعد سب سے پہلے اپنی ذاتی محرومیوں کا تاوام عوام کے پیسوں سے وصول کرتے ہیں۔ ہزاروں نہیں لاکھوں ایسے واقعات ہیں، جن سے مقتدر طبقے کی ذہنی مفلسی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک سابقہ وزیرِ اعظم، بہاپور کے لال سہانہ ذاتی دورہ پر آئے۔ اُنکے ساتھ اُنکے چند دوست اور بیٹا تھا۔ کھانے کی میز پر وزیرِ اعظم اور انکے مصادیزیں موجود تھے۔ ہم لوگ کیونکہ انتظامیہ کا حصہ تھے، لہذا سرکاری ڈیوٹی تھی کہ شاہی قافلہ میں موجود ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے اچانک وزیرِ اعظم نے اپنے دوست کو صدیوں پر انالطیفہ سنایا۔ جس پر تمام لوگ مصنوعی طور پر قہقہے لگا کر ہنسے۔ پھر حکم دیا گیا کہ گاناسنایا جائے۔ سابقہ وزیرِ اعظم کے بوڑھے دوست نے حکم کی ایسے تعقیل کی کہ ہم لوگ حیران رہ گئے۔ ڈائیکنگ ٹیبل کے ارد گرد کر سیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوست کسی پر کھڑا ہو گیا اور شادی بیاہ پر گانے والا معروف گانا ”جیوے بنڑہ“ زور زور سے گانا شروع کر دیا۔ موصوف ضعیف تھے۔ لہذا آواز بھرائی ہوئی تھی بلکہ حد درجہ ناقص تھی۔ مگر حکمران کو وہ گانا اتنا پسند آیا کہ انہوں نے تالیاں بجا کردادی۔ وزیرِ اعظم کو خوش دیکھ کر محفل میں شریک اکثر لوگوں نے زور زور سے تالیاں پیشیں۔ ایسے لگا کہ بزرگ نے دنیا کے بہترین انداز میں ”موسیقارِ اعظم“ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ جو کہ مکمل طور پر غلط تھا۔ بہر حال مقصد وزیرِ اعظم کو خوش کرنا تھا اور یہ ترکیب مکمل طور پر درست ثابت ہوئی۔

یہ صرف ایک حکمران کا نوحہ نہیں ہے۔ حکمرانوں کی بھرپور اکثریت اسی قماش کی ہے۔ مگر منافقت کو وقتی احترام کا جبکہ پہننا کر آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔ جو مخالفت کرے یا حقیقت پسندانہ رو یہ رکھے، وہ ناشادر ہتا ہے۔ بالکل اسی طرح، ایک دن ہمارے ایک سابقہ صدر کے ہونہار صاحبزادے نے اس وقت کے وزیرِ اعظم کو فون کیا کہ اسے لندن میں تعلیمی اخراجات کیلئے تین لاکھ پاؤ نڈ چاہیں۔ وہ وزیرِ اعظم وسیع المشرب انسان تھا۔ اس نے صدر محترم کو فون کر کے ساری رو داد سنائی۔ جواب ملا کہ یہ بھتیجے اور پچھا کے مابین معاملہ ہے۔ انکا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ وزیرِ اعظم سینا تھا۔ فوری طور پر نونہال کی فرمائش کی تعمیل کی اور تین لاکھ پاؤ نڈ ہندی کے ذریعے بھجوادیے گئے۔ کیا عرض کروں اور کیا نہ کروں۔ خزانہ خالی ہے۔ ملک نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ یہ جملے اب بے تاثیر ہو چکے

ہیں۔ کسی کو بھی اس بیانیہ کے کھوکھلے پن سے یارہ نہیں۔ ہاں یہ بھی کہ پاکستان کو قدرت نے ہرنعمت سے نوازا ہے۔ لب تھوڑے دن میں ہر معاملہ ٹھیک ہو جائیگا۔ بھئی اگر ہر نعمت موجود ہے تو عوام تک اس کا شرکیوں منتقل نہیں ہو رہا۔ دراصل اب لوگوں کی اکثریت مقتدر طبقے سے حد دوچھہ فاصلہ پر ہے۔ ووٹ کا جائز استعمال بھی بے معنی بنا دیا گیا ہے۔ نوجوان طبقہ اب اس قدر مایوس ہے کہ کوئی بھی اس پر آشوب ملک میں نہیں رہنا چاہتا۔ گزشتہ دس پندرہ برسوں میں لاکھوں لوگ ملک سے ہجرت کر چکے ہیں۔ اب تو لاہور شہر اور سو شل میڈیا پر بھر پورا شتہار موجود ہیں کہ دوسرا غیر ملکی پاسپورٹ آسانی سے حاصل کریں۔ امیگریشن کمپنیاں اس وقت حد دوچھہ پیسے کماری ہیں۔ جو لوگ جائز طریقے سے نہیں جاسکتے۔ انسانی سملگروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اکثریت برف میں پیدل چل کر مغربی ممالک کی پولیس کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ نحیف کشیوں کے ذریعے سمندر کی ظالم لہروں کی تھیڑی میں آ جاتے ہیں۔ اکثر تو مجھلیوں کی غذابن جاتے ہیں۔ یا قدرت کی مہربانی سے ساحل پر پہنچ کر مغربی ممالک میں پیدھرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر ملک میں اس قدر بہتر حالات ہیں تو لوگ یہاں سے بھاگ، نہیں نہیں، فرار کیوں ہو رہے ہیں۔ مگر کوئی اس تلخ سچ کو بیان نہیں کرتا۔ اسکے برعکس ہمیں ترقی کے جھوٹے خواب بر ملا دکھائے جاتے ہیں۔ جنکی کسی قسم کی کوئی تو قیر نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی۔

عجیب امر یہ بھی ہے کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم لوگ بیوقوف بننے کیلئے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ ذہنی مفلس حکمرانوں میں اخلاقی برتری کے جرثوں مے تلاش کرتے ہوئے تھکتے نہیں۔ اصل بات یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے اپنے زمینی دیوتاتراش لیے ہیں۔ کوئی بھی اپنے تخلیق شدہ بت توڑنے کیلئے تیار نہیں۔ حالانکہ سب کو اندر سے پتہ ہے کہ انکے تراشے ہوئے بت برف کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں غیر متعصب سورج کی دھوپ میں ایک لمح کیلئے رکھا جائے تو یہ پکھل کر پانی بن جائیں گے۔ مگر اسکے باوجود خواص اپنے مالی مفاد کے زیر اثر انکے جعلی پچاری بننے ہوئے ہیں۔ اسکے برعکس عوام کو سانس لینے کیلئے سہارے کی ضرورت ہے۔ لہذا بطور مجبوری، کسی نہ کسی گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سابقہ حکمرانوں کی طرح موجود سیاسی سیٹ اپ بھی مکمل طور پر لوگوں کے مسائل سے لتعلق نظر آتا ہے۔ بلکہ اب تو ضعیف العقادی کا دور دورہ ہے۔ آگے کیا گزارش کروں۔ بلکہ کیوں لکھوں کہ عوام بدحال اور حکمران خوشحال ہیں۔ ترقی تو دور کی بات۔ اگر تنزلی کا سفر روکا جاسکے تو وہ بھی کمال ہو گا۔ حقیقت میں حکمران اپنے ارد گرد ہیں مشیروں کو رکھنا ناپسند کرتے ہیں۔ انہیں صرف ہاں میں ہاں ملانے والے طبلجی چاہیں اور وہ واپر تعداد میں موجود ہیں۔ انہیں کسی عقلمند بیربل کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اگر بیربل آج کے دور میں ہوتا تو آدھا سیر چونا خریدنے کو بالکل منع نہ کرتا۔ مگر سوال یہ بھی ہے کہ وہ چونا کھانے کیلئے مقتدر لوگوں کا انتخاب کرتا یا ملازم کا؟

راو منظر حیات